

سنت خلفائے راشدین

جناب مولانا امین احسن اصلاحی

[ترجمان القرآن شمارہ ماہ اکتوبر ۱۹۵۵ء میں جناب مولانا امین احسن اصلاحی کا جو مضمون حدیث سے متعلق چند سوالات کو صاف کرنے کے لیے شائع ہوا تھا اسے پڑھ کر ایک صاحب نے مولانا سے یہ دریافت کیا ہے کہ سنت کو معلوم کرنے کے ذرائع میں آپ نے خلفائے راشدین کے تعامل کو بھی گنوا لیا ہے اور دلیل میں یہ فرمودہ رسالت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پیش کیا ہے کہ علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين، سو یہ قول کہاں سے ماخوذ ہے اور آجکل "خلفائے راشدین" کی اصطلاح سے ذہن بہن خلفائے اربعہ کی طرف منتقل ہوتا ہے، کیا خود ان حضورو صلعم کا مہرود ذہنی بھی تھا، نیز کیا خلفائے راشدین کے الفاظ اس ذہن میں اسی طرح مستعمل تھے؟ جو ابنا مولانا امین احسن صاحب اصلاحی نے جو ترجمان کیا ہیں وہ ایک منتقل مضمون کی شکل اختیار کر گئی ہیں جو درج ذیل ہے۔ (ادارہ)]

جواب۔ علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين، "مخض کسی عبارت" کا ایک ٹکڑا نہیں ہے، بلکہ یہ

ایک طویل حدیث نبوی کا ایک حصہ ہے، جو احمد، ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے مشکوٰۃ کے باب الاعتصام بالکتاب والسنة میں، عریاض بن ساریہ سے، بایں الفاظ نقل ہوئی ہے:-

عن العریاض بن ساریة قال صلی بنا رسول
الله صلی الله علیه وسلم ذات یوم ثم اقبل
علینا بوجهه فوعظنا موعظة بلیغة زقت
منها العیون ووجبت منها القلوب فقال
رحیل یا رسول الله کان هذه موعظة مودع
فادعنا فقال اوصیکم بتقوی الله والسمع
والطاعة وان کان عبداً حبشیاً فانه من
بعث منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیراً
فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المحدثین
تمسکوا بها وعضوا علیها بالثواب حتی وایاکم
ومحدثات الامور فان کل محدثة بدعة
وکل بدعة ضلالة۔

عریاض بن ساریہ سے روایت ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ
ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی، پھر
حضور ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ایک نہایت مؤثر خطبہ
دیا جس سے آنکھیں اشکیار ہو گئیں اور دل کانپ اٹھے۔
جمع سے ایک شخص بولا، حضور! یہ تو ایک دعویٰ خطبہ معلوم
ہوتا ہے تو ہمیں کچھ وصیت کیجیے۔ آپ نے فرمایا میں نہیں
اللہ سے ڈرتے رہنے اور اپنے صاحب امر کی بات ماننے
اور اس کی اطاعت کرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں، اگرچہ
نہارا صاحب امر کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو تم میں سے
جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ اب اور تب میں بڑا
فرق محسوس کریں گے تو تم میری سنت کی اور خلفائے راشدین
ہدین کی سنت کی پیروی کرنا، ان کو مضبوطی سے تھامنا
اور وادعت سے پکڑنا اور وہ میں جو نئی باتیں گھسانا جائیں
ان سے خبردار رہنا کیونکہ ہر ایسی بات بدعت ہے اور ہر
بدعت گمراہی ہے۔

اس حدیث میں دیکھ لیجیے "سنت الخلفاء الراشدين" کے الفاظ صاف موجود ہیں، بلکہ راشدین کے بعد ایک
لفظ "ہدین" کا اضافہ بھی ہے۔ اس میں نہایت واضح الفاظ میں حضور نے اپنی سنت کے ساتھ خلفائے
راشدین کی سنت کا ذکر بھی فرمایا ہے اور اپنی سنت ہی کی طرح اس پر قائم رہنے کی وصیت بھی فرمائی ہے۔
یہ سوال کہ جس طرح آج خلفائے راشدین کا لفظ جب بولا جاتا ہے تو اس سے خلفائے ابو مراد

ہوتے ہیں اسی طرح جب حضور نے یہ الفاظ استعمال فرمائے تو کیا اس وقت بھی لوگوں نے ان الفاظ سے خلفائے اربعہ کی کو سمجھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کلام کی نوعیت ایک واضح اور قطعی حکم کی نہیں ہے بلکہ جیسا کہ خود حدیث سے واضح ہے ایک پیشینگوئی اور ایک وصیت کی ہے اور خلفائے راشدین سے یہاں متعین اور مخصوص اشخاص مراد نہیں ہیں، بلکہ آپ کے وہ جانشین مراد ہیں جو آپ کے بعد آپ کی امت کی زمام کار اپنے ہاتھوں میں سنبھالیں گے اور حضور ہی کے طریقہ پر اپنے فرائض انجام دیں گے۔ اس لفظ کے اندر وہ تمام خلفائے راشدین داخل ہیں جو آپ کی امت کے اندر پیدا ہوئے یا آئندہ پیدا ہوں گے اور حکومت کے فرائض صحیح اسلامی طریق پر انجام دیں گے

اگر کسی کو یہ گمان ہو کہ حضور کے ذہن میں اپنے بعد کسی خلافت کے قیام یا خلفاء کے کسی سلسلہ کا کوئی تصور نہیں ہو سکتا تھا تو چارے نزدیک یہ گمان بالکل غلط ہے۔ اول تو آپ جس دین حق کے داعی تھے وہ دین کوئی نہ بہانیت کا دین نہیں تھا کہ وہ کسی سیاسی نظام کے تصور سے بالکل خالی ہو بلکہ اس کے برعکس وہ دین اول ہی سے ایک اجتماعی اور سیاسی نظام کے تقاضوں کے ساتھ نمودار ہوا تھا۔ خود حضور کی زندگی ہی میں اس نے عملاً ایک مکمل سیاسی نظام کی صورت اختیار بھی کر لی تھی اور اس نظام کے اصول و مبادی قرآن میں بھی بیان ہو گئے تھے اور خود حضور نے بھی ان کی وضاحت فرمادی تھی۔ ثانیاً حضور کو آپ کی امت کے مستقبل کا پورا نقشہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی دکھایا گیا تھا۔ چنانچہ متعدد حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کو اپنی اجتماعی زندگی میں جن مراحل اور جن انقلابات سے گذرنا تھا اس کے بہت سے پہلو آپ کے علم میں تھے، آپ جانتے تھے کہ آپ کے بعد مسلمانوں میں کس قسم کا نظام قائم ہوگا، اس کے بعد کیا انقلاب ہوگا اور پھر اس انقلاب کے بعد کیا حالات پیش آئیں گے۔ حدیث ہے کہ خلفائے اربعہ میں سے جس جس کو جس طرح کے حالات پیش آنے تھے حضور نے ان کی طرف بھی اپنی پیشین گوئیوں میں اشارت فرمائی ہے۔ ہم یہاں بعض حدیثیں نقل کرتے ہیں جن سے اندازہ ہو سکے گا کہ آپ اپنے بعد قائم ہونے والے نظام کی نوعیت سے بھی باخبر تھے اور ان انقلابات سے بھی واقف تھے جن سے اس نظام کو سابقہ پیش آنا تھا۔

عن ابی جعبہؓ و معاذ بن جبل عن رسول اللہ ﷺ ابو عبیدہ اور سائر ذہب جبل رضی عنہم کہ رسول اللہ صلی اللہ

صلى الله عليه وسلم قال ان هذا الامر بدأ
بنبوة ورحمة ثم يكون خلافة ورحمة ثم
ملكاً عضواً ثم كائن جبرية وعتواً وفساداً
في الارض يستحلون الحرير والفروج والخمر
يذوقون على ذلك وينصرون حتى يلقوا الله -
رواه البيهقي في شعب الایمان -

(مشکوٰۃ باب تغیر الناس)

علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نظام کا آغاز نبوت اور رحمت کی
فصلی میں ہوا ہے۔ اس کے بعد یہ خلافت اور رحمت کی
صورت اختیار کرے گا، پھر ایک مستبد بادشاہی بن جائیگا
پھر قہر و جبر اور فساد فی الارض بن کر رہ جائے گا، لوگ لاشعیر
زنا اور شراب کو جائز کر لیں گے۔ اس کے باوجود انہیں
روزی بھی ملتی رہے گی اور یہ فتوحات بھی حاصل کرتے
رہیں گے یہاں تک کہ یہ اللہ کے ہاں حاضر ہوں۔

ایک دوسری حدیث میں بعد کے انقلابات اور ادوار کی تفصیل اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ
بیان ہوئی ہے، ملاحظہ ہو۔

عن حذیفة قال قال رسول الله صلى الله
عليه وسلم تكون النبوة نيكما شاء الله ان
تكون ثم يرفعها الله تعالى ثم تكون خلافة على
منهاج النبوة ما شاء الله ان تكون ثم يرفعه
الله تعالى ثم تكون ملكاً عاصداً فتكون ما شاء الله
ان تكون ثم يرفعها الله تعالى ثم يكون ملكاً
جبرية فتكون ما شاء الله ان تكون ثم يرفعها
الله تعالى ثم تكون خلافة على منهاج نبوة ثم
سكت ... رواه احمد والبيهقي في دلائل
النبوة (مشکوٰۃ باب التذاور والتخيم)

حذیفہ سے۔ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ تم میں نبوت باقی رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ اس کا
باقی رہنا چاہے پھر اس کو اللہ تعالیٰ اٹھا لیگا۔ اس کے بعد
نبوت کے طرز پر خلافت قائم ہوگی اور وہ قائم رہے گی جب
تک اللہ تعالیٰ چاہے گا پھر اللہ تعالیٰ اس کو اٹھا لیگا اس
کے بعد ایک مستبد سلطنت قائم ہو جائے گی اور وہ قائم
رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا پھر اللہ تعالیٰ اس کو اٹھا
لیگا۔ پھر جبر و قہر کی حکومت قائم ہوگی اور وہ قائم رہے گی
جب تک اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کو اٹھا
لیگا اس کے بعد نبوت کے طریق پر پھر خلافت قائم ہوگی۔
یہاں تک بیان کرنے کے بعد حضور خاموش ہو گئے۔

اس حدیث میں خلافت علی منہاج النبوة کے بعد پیدا ہونے والے لگاڑ کے بعد پھر ایک دور خلافت علی منہاج

النبوة کی پیشین گوئی ہے۔ اس کا مصداق ہمارے سلف صالحین نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور کو قرار دیا ہے اور اس کے بعد حضور کے سکوت فرمانے سے بعض لوگوں نے یہ نتیجہ بھی نکالا ہے کہ اس کے بعد بھی نبی اور بگاڑ کے اس طرح کے دور امت میں آتے رہیں گے۔ چنانچہ تاریخ کی شہادت موجود ہے کہ اس کے بعد اچھے حکمران بھی پیدا ہوئے اور بُرے بھی پیدا ہوئے اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ اب یہ فیصلہ کر لیا جائے کہ آئندہ کبھی اس دنیا میں خلافت علی منہاج النبوت کا دور نہیں آئے گا۔ نہ نقل میں ہیں کوئی چیز ایسی ملتی ہے جو اس کا دوازدہ بند کرتی ہو اور نہ عقلاً اس کا آنا کسی طرح محال اور مستبعد قرار دیا جاسکتا ہے۔

اسی مضمون کی ایک دوسری حدیث انہی حضرت حدیث سے مسلم و بخاری دونوں کے حوالے سے مشکوٰۃ کی کتاب الفتن میں اس طرح نقل ہوئی ہے۔ حضرت حدیث فرماتے ہیں۔

لوگ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کی بابت پوچھا کرتے تھے لیکن میں فتنوں کی بابت سوال کیا کرتا تھا کہ مبادا کسی فتنے سے سابقہ نہ پڑ جائے۔ ایک مرتبہ میں نے حضور سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ہم جاہلیت اور فتنہ کی تاریکی میں مبتلا تھے کہ اللہ نے ہمیں یہ ذمہ داری کی نعمت بخشی۔ کیا اس خیر کے بعد پھر بگاڑ پیدا ہوگا؟ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں۔ میں نے عرض کیا کہ کیا اس بگاڑ کے بعد پھر خیر کا دور بھی آئیگا؟ آپ نے فرمایا ہاں، لیکن اس خیر میں کچھ کمزورتی بھی ملی ہوئی ہوگی۔ میں نے پوچھا اس کمزورتی کی نوعیت کیا ہوگی؟ آپ نے ارشاد فرمایا لوگ میری سنت اور میرے طریقہ کے خلاف روش اختیار کریں گے، ان سے معروف اور منکر دونوں طرح کی باتیں صادر ہوگی۔ میں نے دریافت کیا کیا اس خیر کے بعد پھر شر کا ظہور ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔۔۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور سے متعلق یہ حقیقت بھی واضح تھی کہ اس دور میں اگرچہ خلیفہ راشد ہوگا لیکن وقت کے حکام اور عوام کی حالت شر کی گدورت سے پاک نہیں ہوگی، ان کے اندر معروف اور منکر دونوں طرح کی باتیں پائی جائیں گی۔

بعض احادیث میں خلافت علی منہاج النبوت کے پہلے دور کی مدت بھی حضور نے متعین فرمادی۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں احمد، ترمذی اور ابوداؤد کے حوالہ سے یہ روایت نقل ہوئی ہے۔

المخلافۃ ثلاثون سنۃ ثم یكون ملکا خلافت تیس سال تو تم رہے گی اس کے بعد بادشاہ قائم

ہو جائیگی۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ حضور کی یہ پیشین گوئی صرف بحرف پوری ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت ۲ سال رہی حضرت عمرؓ نے ۱۰ سال خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ بالترتیب ۱۲ اور ۶ سال خلیفہ رہے۔ یہ کل ملا کر ۳۰ سال ہوتے ہیں۔

ان اعادہ سے یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ حضور کا ذہن، جیسا کہ عرض کیا گیا، نہ خلافت کے تصور سے خالی تھا اور نہ خلفاء کے تصور سے۔ آپ جس دینِ فطرت کو لے کر آئے تھے اس کے فطری تقاضوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ نیز جیسا کہ اوپر بیان ہوا آپ کے بعد جس طرح کا سیاسی و اجتماعی نظام امت میں قائم ہونا تھا اس کے اصول خود قرآن میں بھی بتا دیئے گئے تھے اور ان کی تفصیلات خود حضور نے بھی مختلف طریقوں سے لوگوں کو سمجھائی تھیں۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان تمام القابات کا مشاہدہ بھی کر لیا تھا جو آپ کی امت کی اجتماعی و سیاسی زندگی میں پیش آنے والے تھے۔ یہاں تک کہ یہ بھی آپ پر واضح کر دیا گیا تھا کہ آپ کے بعد جو لوگ خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں گے وہ اس فرض کی ادائیگی میں کن صلاحیتوں کا ثبوت دیں گے اور ان کو کن کن مراحل سے گزرنا پڑے گا۔ اگر خوفِ طوائف مانع نہ ہوتا تو ہم یہ تفصیلات بھی یہاں پیش کر دیتے۔

جب یہ ساری باتیں حضور پر روشن تھیں تو اس بات پر کیوں تعجب کیا جائے کہ آپ نے عدیکہ بسنتی و سنتہ الخلفاء الراشدین کے الفاظ کے ساتھ خلفاء کے دور کے ظہور میں آنے سے پہلے اس کا تعارف کر لیا اور ان کی سنت کی پیروی کرنے کی مسلمانوں کو وصیت فرمائی؟

آپ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ عام مسلمانوں کا ذہن ان الفاظ کو سن کر ان سے تعین کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی طرف نہیں منتقل ہو سکتا تھا لیکن حضور کے ارشاد میں نہ یہ تعین پیش نظر ہے اور نہ یہ الفاظ اس تعین کے متقاضی ہی ہیں اور نہ ہی اصل وصیت کے لفظ نظر سے یہ تعین کچھ ضروری ہے۔ عام مسلمانوں کا اس سے صرف اتنا سمجھ لینا اصل مقصد کے لحاظ سے بالکل کافی تھا کہ آپ کے بعد امت کی ذمہ داریوں کو اٹھانے کے لیے خلفاء ہونگے جن میں راشد بھی ہونگے اور غیر راشد بھی۔ اور ہمیں ان میں سے راشدین کی سنت کی پیروی کرنی ہے اور غیر راشدین کے ساتھ شریعت کے

مقررہ کردہ حدود کے اندر معاملہ کرنا ہے۔

خلفائے راشدین کے تعامل کے سنت ہونے کا مفہوم | یہاں میں تھوڑی سی وضاحت اس بات کی بھی کر دینا چاہتا ہوں کہ خلفائے راشدین کے تعامل کے سنت ہونے کا مفہوم کیا ہے اور اس کو سنت کا درجہ دینے کی وجہ کیا ہے؟

میں نے اپنے اصل مضمون میں سنت اور حدیث میں جو فرق بیان کیا ہے وہ یہاں بھی ملحوظ رکھیے۔ میں نے بتایا تھا کہ حدیث تو ہر وہ قول یا فعل یا تقریر ہے جس کی روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کے ساتھ کی جائے لیکن سنت صرف وہی چیزیں ہیں جن کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر اہتمام و التزام کیا ہو، جن کی اہمیت کے ساتھ تاکید فرمائی ہو، جن کی حیثیت آپ کی زندگی میں معلوم و معروف حقیقتوں کی ہو، جن کو حضور نے انفرادی یا اجتماعی زندگی کے لیے ایک روٹی، ایک مسدک اور ایک پروگرام کی حیثیت رکھنے کے ساتھ رکھا ہو اور اسی حیثیت سے ان پر عمل کیا اور کرایا ہو۔

اس حقیقت کو سامنے رکھنے کے بعد جب آپ خلفائے راشدین کی سنت کے معاملہ پر غور فرمائیں گے تو جہاں تک ان کے انفرادی اقوال و افعال کا تعلق ہے وہ ان کی سنت کی حیثیت نہیں حاصل کریں گے، بلکہ ان کی صرف وہی چیزیں ان کی سنت کی حیثیت حاصل کریں گی جو ان کے سامنے ایک مسئلہ کی حیثیت سے آئی ہوں اور انہوں نے ان پر اپنے وقت کے اہل علم اور اہل عمل و عقد سے مشورہ حاصل کر کے بارہ میں کوئی فیصلہ کیا ہو یا بطور خود اپنے کسی فیصلہ یا اجتہاد کو نافذ کیا ہو اور ان کے زمانہ کے اہل علم و تقویٰ نے اس کو بغیر کسی نگیب کے قبول کیا ہو اور وہ چیز معمول بہ بن گئی ہو۔

حضرات خلفائے راشدین کا عام طریقہ یہ رہا ہے کہ جب ان کے سامنے کوئی ایسا معاملہ آتا جس کے بارے میں قرآن یا سنت نبوی میں کوئی تصریح موجود نہ ہوتی تو اس میں اہل علم و تقویٰ سے مشورہ کرتے۔ مشورے کے بعد جب ایک بات طے کر لیتے تو وہ چیز سب کے نزدیک متفق علیہ بن جاتی۔ پھر اگر اس کو پورے ملک کے لیے ایک قانون کی حیثیت دے دینے کی ضرورت داعی ہوتی تو وہی چیز پورے ملک کے لیے ایک قانون کی حیثیت حاصل کر لیتی۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانوں میں اس کی بے شمار

مشائخ موجود ہیں۔ اسلام میں اجماع جو حجت مانا گیا ہے اس کی معیاری شکل بھی حقیقت ہی ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے۔ اس حقیقت کی طرف شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ازالہ الخفا میں اشارہ فرمایا ہے۔

و تحقیق آنست کہ تا زمان حضرت عثمان اختلاف در مسائل فقہیہ واقع نمی شد۔ در محل اختلاف بخلیفہ رجوع می کردند و بجنہ بعد مشاورت امر سے اعتیاری کرد و ہاں امر مجمع علیہ شد۔
اور تحقیق یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک فقہی مسائل میں کسی مستقل اختلاف کی صورت پیدا نہیں ہونے پائی تھی۔ اگر کوئی اختلافی مسئلہ سامنے آتا تو اس کے لیے خلیفہ موقت کی طرف رجوع کرتے، خلیفہ اپنے وقت کے اہل حل و عقد سے مشورہ حاصل کرنے کے بعد اس معاملہ میں کوئی پہلو اختیار کرتا اور وہی بات سب کے نزدیک متفق علیہ بن جاتی۔

میرے نزدیک سنت خلفاء سے مراد ان کے اسی طرح کے اجماعی فیصلے ہیں، نہ کہ ان کی انفرادی رائیں۔ اب میں یہ بتاؤں گا کہ میں خلفائے راشدین کے اس طرح کے طے کردہ مسائل کو کیوں سنت کا درجہ دیتا ہوں۔ میرے نزدیک اس کے وجوہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ اس کی پہلی وجہ تو وہ حدیث ہے جو اوپر گزر چکی ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود خلفائے راشدین کی سنت کو سنت کہا اور جبرئیل سے اور اسی حیثیت سے مسلمانوں کو اس پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت اور وصیت فرمائی ہے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اجماع ہمارے ہاں ایک شرعی حجت کی حیثیت رکھتا ہے اور اجماع کی سب سے اعلیٰ قسم اگر کوئی ہو سکتی ہے تو وہی ہو سکتی ہے جس کی مثالیں خلفائے راشدین کے عہد میں ملتی ہیں۔ اول تو یہ غیر اقران کے لوگوں کا اجماع ہے جن کی حق طلبی و حق کو شہی ہر شبہ سے بالاتر ہے۔ ثانیاً اسی مبارک دور میں عملاً یہ شکل اختیار کی جاسکتی کہ اگر کوئی مسئلہ پیش آیا تو اس میں وقت کے اہل علم اور صالحین کی رائیں معلوم کی گئیں اور پھر ایک متفق علیہ باطلے کر کے ایک خلیفہ راشد نے اس کو جاری و نافذ کیا اور سب نے اس پر بغیر کسی اختلاف و اعتراض کے عمل کیا۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ابتدا سے خلفائے راشدین کے تعامل کو ملت میں ایک مستقل شرعی حجت کی حیثیت دی گئی ہے۔ سعید ابن مسیب کی فقہ میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے فیصلوں کو ایک اصولی چیز کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اسی طرح امام شافعی کی فقہ میں حضرت علیؓ کے فیصلوں کو ایک مستقل جگہ حاصل ہے۔ یہی اقتداء ہر مسلمان کو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے فیصلوں پر ہے۔ اس لحاظ سے دیکھئے تو فقہ مالکی ہو یا فقہ حنفی، ہر ایک کے اندر خلفائے راشدین کے تعامل کو سنت ہی کی حیثیت سے جگہ دی گئی ہے۔

۴۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ دین کی تکمیل اگرچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہوئی ہے لیکن امت کی اجتماعی زندگی میں اس کے مضمرات کا پورا پورا اظہار حضرت خلفائے راشدین کے ہاتھوں ہوا۔ انہی کے مبارک دور میں اسلام کے تمام ادیان پر غلبہ کا قرآنی وعدہ پورا ہوا اور اسلامی شریعت کے ہیبت سے احکام کا انطباق زندگی کے معاملات میں عملاً متعین ہوا۔ اس پہلو سے خلفائے راشدین کا دور گویا عہد رسالت ہی کا ایک ضمیمہ ہے اور ہمارے لیے وہ پورا نظام ایک مثالی نظام ہے جو ان کے مبارک ہاتھوں سے قائم ہوا۔ پس اس دور میں جو نظائر قائم ہو چکے ہیں وہ ہمارے لیے دینی حجت کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہمارے لیے ان سے انحراف جائز نہیں ہے۔ اس کلیہ سے اگر کوئی چیز متشکیک ہو سکتی ہے تو صرف وہ چیز ہوتی ہے جو مجرد کسی وقتی مصلحت کے تحت انہوں نے اختیار فرمائی ہو۔